رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

سیرت اور تعلیمات

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرستِ مضامین

پیش لفظ	۴
رحمۃ للعالمینؐ- سیرت اور تعلیمات	۵
ابتدائی زندگی	۵
عہد اور ماحول	۶
حضرت خدیجہؓ سے نکاح	۷
قریش میں آپؐ کا اعتبار	۸
نبوت سے سرفرازی اور دعوت کا آغاز	۸
اسلام کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے	۹
اعلانِ عام اور قوم کا ردِّعمل	۱۰
ہجرتِ حبشہ	۱۱
شعبِ ابی طالب میں محصوری	۱۱
حالات بدتر ہوتے گئے	۱۲
طائف کا سفر	۱۲
ہجرتِ مدینہ	۱۳
مدینہ میں آپؐ کے اوّلین اقدامات	۱۴
غزوات اور ان کا پس منظر	۱۴
فتحِ مکہ	۱۵
پاکیزہ سیرت، اعلیٰ کردار	۱۶
انسانیت کے سب سے بڑے محسن	۱۸
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات	۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

’آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم- سیرت اور پیغام‘ کے عنوان سے اس عاجز کا ایک کتابچہ اپریل ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ آپ کی سیرت مطہرہ اور آپ کی بنیادی تعلیمات کے ابتدائی تعارف کے لیے اسے مفید سمجھا گیا اور خاص طور پر سیرت سے متعلق مہمات میں اس سے بڑے پیمانے پر فائدہ اٹھایا گیا۔ اب تک اس کے سات ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ہندی اور بعض علاقائی زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ اب کی بار میں نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ آپ کی تعلیمات کے ذیل میں جن آیات و احادیث کا صرف ترجمہ پیش کیا گیا تھا ان کے اصل الفاظ نقل کردیے ہیں۔ مضمون کی ترتیب اور اس کا عنوان تبدیل کردیا ہے۔ کہیں کہیں لفظی ترمیم اور اصلاح بھی کی گئی ہے۔ اب یہ کتابچہ ’رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -سیرت اور تعلیمات‘ کے نام سے شائع ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کی افادیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔

اب مزید نظر ثانی اور کسی قدر حذف و اضافہ کے بعد یہ رسالہ پیش ہورہا ہے۔

جلال الدین

۲۸/مئی ۲۰۱۹ء

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سیرت اور تعلیمات

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے لیے سامانِ حیات عطا کیا، جس سے وہ زندہ رہتا اور اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اس کے لیے اس نے زمین اور اس کے چاروں طرف کی فضا میں حیرت انگیز انتظام فرمایااور اس سے استفادے کی راہیں کھول دیں۔ اسی اللہ برتر نے انسان کی ہدایت و راہ نمائی کا بھی اپنی طرف سے انتظام فرمایا، تاکہ وہ سیدھی راہ پر گام زن رہے اور جہالت و نادانی کی وجہ سے گم راہی میں مبتلا نہ ہو۔ چناں چہ جب سے انسان زمین پر آباد ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے اور ان میں سے بعض پر اپنی کتابیں بھی نازل کیں۔ یہ سلسلہ ہزاروں سال تک قوموں اور ملکوں میں جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ کے رسول آتے اور راہِ ہدایت دکھاتے رہے، لیکن جب تمدن نے ترقی کی، قوموں اور ملکوں کے تعلقات نے وسعت اختیار کی اور ایک دوسرے کے خیالات سے واقفیت کے مواقع انہیں حاصل ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی راہ نمائی کے لیے اور ہمیشہ کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری رسول کی حیثیت سے بھیجا اور اپنا آخری ہدایت نامہ، قرآن مجید آپ پر نازل فرمایا۔

ابتدائی زندگی

چھٹی صدی عیسوی کا نصف آخر تھا کہ جزیرہ نمائے حجاز کے مشہور شہر مکہ میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش ہوئی۔ (ولادت باسعادت ۲۰/اپریل ۵۷۱ء۔ رحلت ۸/جون ۶۳۲ء) آپ کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا۔ قریش حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد اور ان کے تعمیر کردہ خانۂ کعبہ کے متولی تھے۔ اس وجہ سے

عرب میں سب سے معزز سمجھے جاتے تھے۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔ آپ جب پیدا ہوئے تو سر سے والد کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ آمنہ نے اپنے اس یتیم بچے کی پرورش شروع کی۔ ابھی عمر کا چھٹا سال تھا کہ والدہ کا چراغِ حیات گل ہوگیا۔ دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنی آغوشِ شفقت میں لے لیا اور بیٹوں سے زیادہ پیار اور محبت سے آپ کی نگہ داشت کرنے لگے، لیکن اس پر صرف دو ہی برس گزرے تھے کہ آٹھ سال کی عمر میں دادا اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپ کے چچا ابوطالب کی کفالت میں آپ کو دے گئے۔ چچا نے اولاد کی طرح آپ کی پرورش کی۔

عہد اور ماحول

آپ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھا۔ اس میں بڑی اخلاقی خرابیاں اور سماجی برائیاں پائی جاتی تھیں۔ شراب عام تھی، محفلوں میں خم کے خم لنڈھائے جاتے اور اس پر فخر کیا جاتا تھا۔ جوئے اور قمار بازی کا عام چلن تھا۔ فحاشی اور بدکاری کوئی عیب نہ تھا۔ پیشہ ور عورتیں جھنڈے لگا کر اپنے اڈوں پر بیٹھا کرتی تھیں۔ آوارہ لوگ وہاں دادِ عیش دینے جایا کرتے تھے۔ ظلم و زیادتی اور ناانصافی کا دور دورہ تھا۔ کم زوروں کے حقوق بری طرح پامال ہو رہے تھے۔ عورت حد درجہ مظلوم تھی، اس کے کچھ حقوق نہ تھے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے واقعات بھی پیش آجایا کرتے تھے۔ یتیموں کا پوچھنے والا کوئی نہ تھا، ان کے وارث ان کو اور ان کے مال کو اپنی ملکیت تصور کرتے تھے۔ غلاموں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ لوگوں کے اندر شدید قبائلی تعصب پایا جاتا تھا۔ بات بات پر انتقام کا جذبہ بھڑک اٹھتا اور آمادۂ پیکار ہوجاتے۔ انہیں اپنی زبان دانی اور شاعری پر فخر تھا، لیکن ان کی شاعری میں شراب و کباب اور حسن و عشق کے تذکرے ہوتے، باپ دادا پر فخر کیا جاتا، جنگی کارناموں، گھوڑوں، اونٹوں، تلواروں، نیزوں اور دیگر سامانِ حرب وضرب کا ذکر ہوتا۔ اخلاق اور تہذیب و شرافت کے لیے اس میں مشکل ہی سے جگہ ملتی۔ محمد ﷺ کے شب و روز ان

تمام خرابیوں سے پاک گزر رہے تھے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ اس گندے ماحول میں صاف شفاف نگینے کی طرح چمک رہی تھی۔ آپ ایک با اخلاق، راست باز اور امانت دار انسان کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے۔

ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ آپ کے چچا ابوطالب نے شام کا تجارتی سفر کیا۔ آپ کے اصرار پر وہ آپ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ راستے میں قافلے نے ایک جگہ قیام کیا۔ بحیرا نامی ایک راہب نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ اس بچے میں وہ علامات موجود ہیں جو توریت اور انجیل میں آخری پیغمبر کی بیان ہوئی ہیں۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

حضرت خدیجہؓ مکہ کی ایک شریف اور مال دار خاتون تھیں۔ وہ اپنا مالِ تجارت کسی نہ کسی کے ذریعے باہر بھیجا کرتیں اور اس کا معاوضہ ادا کرتیں یا منافع میں شریک کرلیتیں۔ رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت، دیانت و امانت اور اخلاق کے چرچے انہوں نے سن رکھے تھے۔ انہوں نے درخواست کی کہ آپ ان کا مال لے جائیں، وہ دوسروں کو جو معاوضہ دیتی ہیں اس سے زیادہ دیں گی۔ آپ ان کا مال لےکر شام کے سفر پر روانہ ہوئے، اسے فروخت کیا اور مکہ کے بازار کے لیے دوسری چیزیں خرید کر لے آئے۔ اس سے دوگنا فائدہ ہوا۔ سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ آپ کے ساتھ تھا۔ اس نے دیکھا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں ہیں۔ اس نے حضرت خدیجہؓ سے اس کا ذکر کیا۔ وہ ان سب باتوں سے متاثر ہوئیں اور اپنی دولت و ثروت کے باوجود آپ سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے خاندان کے لوگوں سے مشورہ کیا۔ سب نے اسے پسند کیا اور حضرت خدیجہؓ سے آپ کا عقد ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ اس وقت چالیس برس کی تھیں اور بیوہ تھیں۔ آپ کی عمر پچیس سال تھی اور آپ دورِ شباب سے گزر رہے تھے۔ حضرت خدیجہؓ سے شادی کے دس سال بعد ایک اہم واقعہ پیش آیا، جس سے اہلِ وطن میں آپ کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

قریش میں آپؐ کا اعتبار

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ اس کی بنیادیں کم زور ہوگئیں تو قریش نے اس کی از سرِ نو تعمیر کی۔اس دوران میں اس امر میں اختلاف رونما ہوگیا کہ حجرِ اسود کو، جو حضرت ابراہیمؑ کی خاص نشانی ہے ، کون اس کی جگہ رکھے؟بات یہاں تک بڑھی کہ کشت وخون کا اندیشہ ہونے لگا۔ اس پر ایک سردار نے مشورہ دیا کہ کل صبح سویرے خانۂ کعبہ میں جو شخص داخل ہو اسے حَکَم مان لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ دوسرے روز آپ پہلے شخص تھے جو حرم میں داخل ہوئے۔ سب نے آپ کو دیکھتے ہی کہا کہ ہماری قوم کا امین آ گیا ہے، یہ جو فیصلہ کرے وہ ہمیں منظور ہے۔ آپ نے ایک چادر منگوا کر زمین پر بچھائی اور اس پر حجر اسود رکھ کر مختلف قبائل کے سرداروں سے کہا کہ وہ چادر کا ایک ایک حصہ تھام لیں اور پتھر کو اس کی ٹھیک جگہ پہنچائیں۔ جب پتھر وہاں پہنچا تو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کی جگہ نصب کر دیا۔ سب اس فیصلے سے مطمئن تھے، اس لیے کہ اس سے کسی کی طرف داری یا کسی کی حق تلفی نہ ہوئی اور ہر قبیلہ اس سعادت میں شریک تھا۔

نبوت سے سرفرازی اور دعوت کا آغاز

رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا چالیسواں سال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصبِ رسالت سے سرفراز فرمایا۔ آپ مکہ کے قریب غارِ حرا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھے کہ آپ نے اللہ کے فرشتے (جبرئیلؑ) کو دیکھا۔ فرشتہ آپ سے قریب ہوا اور آپ کو اللہ کی کتاب قرآن مجید کی چند آیات سنائیں۔ وہ آیات آپ کو اس طرح ازبر ہوئیں کہ دل پر نقش ہوگئیں۔ یہ قرآن مجید کے نزول کا آغاز تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بالکل نیا تجربہ تھا۔اللہ تعالیٰ کے فرشتے کو دیکھنے اور اس سے اللہ کا پیغام سننے کا پہلا اتفاق تھا۔ آپ نے فطری طور پر ایک طرح کا خوف اور گھبراہٹ محسوس کی۔ گھر لوٹ کر اپنی اہلیہ حضرت خدیجہؓ سے اس کا

ذکر کیا اور کہا کہ مجھے جان کا خوف لگ رہا ہے۔ انھوں نے تسلی دی اور کہا کہ" اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی کسی پریشانی میں نہیں ڈالے گا اور آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔اس لیے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، (باہر سے آنے والوں کی) مہمان نوازی کرتے ہیں، قرض داروں کا قرض ادا کرتے ہیں، جو محتاج اور تنگ دست ہے اس کی اعانت کی کوشش کرتے ہیں اور مشکلات میں دوسروں کے کام آتے ہیں۔"

حضرت خدیجہؓ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہ بے اختیار اظہار تھا۔ آدمی کی بیوی اس کی سب سے بڑی رازدار اور اس کے اندرونی حالات سے سب سے زیادہ واقف ہوتی ہے۔ آپ کے کردار کے بارے میں حضرت خدیجہؓ کی یہ شہادت سب سے معتبر شہادت ہے۔اسی وجہ سے آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کرنے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوا۔ وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ اس وقت کافی عمر رسیدہ تھے، انہوں نے شرک اور بت پرستی کو ترک کر کے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ عیسائیت کے عالم تھے۔ عبرانی سے واقف تھے اور انجیل کی تعلیمات سے براہِ راست فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ انہوں نے آپ سے پہلی وحی کا حال معلوم کر کے کہا کہ آپ کے پاس وہی فرشتہ آیا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا کرتا تھا۔ مزید کہا کہ اس میں آپ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکال دے گی۔آپ نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟انہوں نے جواب دیا: "ہاں، جو ہدایت آپ کو اللہ کی طرف سے ملی ہے، جو شخص بھی یہ ہدایت لے کر آیا اس کی قوم اس کی دشمن ہو گئی۔ اگر اس وقت تک میں زندہ رہا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا"۔لیکن ورقہ بن نوفل کا جلد ہی انتقال ہو گیا۔

اسلام کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے

اللہ کا دین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آہستہ آہستہ نازل ہو رہا تھا۔ موقع و محل کی مناسبت سے آپ کو ہدایات دی جا رہی تھیں، لیکن آپ کے ماحول کے لیے وہ

اجنبی تھیں۔ آپ نے اپنے بہت ہی قریب کے حلقے میں اس کا تذکرہ کیااور اسے قبول کرنے کی دعوت دی۔ آپ نے اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ سے اس کا ذکر فرمایا۔ انہیں آپ کی صداقت پر ذرہ برابر شبہ نہ ہوا۔ وہ فوراً آپ پر ایمان لے آئیں۔ اس طرح انہیں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد آپ نے ان لوگوں کو، جن سے آپ کی قریبی وابستگی تھی اور جن کے بارے میں اعتماد تھا کہ وہ آپ کی بات توجہ سے سنیں گے، اپنے رسول ہونے کی اطلاع دی۔ ان میں آپ کے قدیم رفیق حضرت ابوبکرؓ، آپ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ اور آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ شامل تھے۔ان میں سے کسی کو آپ کی بات ماننے میں کوئی تردد نہیں ہوا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ تین سال تک آپ خاموشی سے اللہ کے دین کی دعوت دیتے اور اللہ کی کتاب قرآن مجید کا جو حصہ نازل ہو رہا تھا، اسے پیش فرماتے رہے۔ اس کے نتیجے میں اور بہت سے لوگ آپ پر ایمان لے آئے۔

اعلانِ عام اور قوم کا ردِّ عمل

تین سال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام تبلیغ شروع کر دی اور کھل کر اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے لگے۔ آپ نے کفر و شرک کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا اور دلائل کے ساتھ اللہ واحد کی عبادت اور اطاعت کا تصور پیش کیا۔ سماج میں پھیلی ہوئی خرابیوں پر سخت تنقید کی، کم زوروں کے حق میں آواز بلند کی، اپنی غلط تہذیب و معاشرت کو بدلنے، غیر اخلاقی روش کو چھوڑنے اور اخلاق کا پابند ہونے کی تعلیم دی اور بتایا کہ نجات کے لیے اللہ کے دین کو قبول کرنا اور اس کے دائرہ اطاعت میں آنا ضروری ہے۔ آپ کی اس دعوتِ عام کی مخالفت ہونے لگی اور وقت گزرنے کے ساتھ اس میں شدت آتی چلی گئی۔ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو ناقابلِ بیان اذیتیں پہنچائی جانے لگیں۔ حضرت بلالؓ کو تپتی ریت پر لٹا کر گھسیٹا جاتا۔ حضرت عمارؓ کو اتنی تکلیفیں دی گئیں کہ زبان سے اللہ واحد کا نام لینا مشکل ہو گیا، ان کے والد یاسرؓ کو بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، ان کی

والدہ سمیہؓ کو ابوجہل نے خنجر مار کر ہلاک کر دیا، حضرت خبابؓ کو انگاروں پر لٹادیا جاتا، پوری پیٹھ پر آبلے پڑ جاتے اور جسم کے بوجھ سے آگ ٹھنڈی ہوتی۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھا گیا۔

ہجرتِ حبشہ

جب حالات ناقابلِ برداشت ہوتے چلے گئے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ حبشہ سے اہلِ مکہ کے تجارتی تعلقات تھے، اس لیے وہ ان کے لیے اجنبی ملک نہیں تھا۔ چناں چہ بہت سے صحابہ مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے۔ لیکن قریش نے وہاں بھی انہیں چین سے رہنے نہیں دیا۔ اپنے سفرا حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس دوڑائے۔ نجاشی عیسائی تھا اور اپنے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا۔ سفیروں نے اس سے کہا کہ یہ لوگ ہمارے ہاں سے فرار ہو کر آئے ہیں۔ یہ ہمارے دین کے بھی مخالف ہیں اور عیسائیت کے بھی خلاف ہیں، انہیں واپس بھیج دیا جائے۔ اس نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ معلوم کیا تو حضرت جعفرؓ نے اس کی وضاحت کی اور قرآن کی آیات سنائیں۔ وہ اس سے بہت متاثر ہوا اور کہا کہ حضرت عیسیٰؑ اس سے ذرہ برابر مختلف نہ تھے۔ اس نے سفیروں کو ناکام واپس لوٹا دیا۔

شعبِ ابی طالب میں محصوری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام پریشانیوں کے باوجود مکہ ہی میں رہے اور دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیتے رہے۔ آپ کے چچا ابوطالب نے اسلام تو قبول نہیں کیا، لیکن آپ کی حمایت جاری رکھی۔ مخالفین نے بہت کوشش کی کہ وہ آپ کی حمایت سے دست کش ہو جائیں اور آپ کو ان کے حوالے کر دیں۔ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ جب اس سے انہیں مایوسی ہوگئ تو انھوں نے آپ کے قبیلے بنو ہاشم کا معاشرتی مقاطعہ یا بائیکاٹ کر دیا کہ ان سے لین دین، شادی بیاہ اور کاروبار کا کوئی معاملہ نہیں کریں گے اور نہ ان کی کسی قسم کی مدد کریں گے۔ چناں چہ جناب ابوطالب کی سربراہی

میں بنو ہاشم ایک گھاٹی میں محصور ہو کر رہ گئے۔ تقریباً ڈھائی سال اس طرح گزر گئے تو خود ان ہی میں سے بعض لوگوں کی کوششوں سے یہ مقاطعہ ختم ہوا۔ اس دوران میں بھی آپ کا سلسلۂ دعوت و تبلیغ جاری رہا۔

حالات بدتر ہوتے گئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا نواں سال تھا کہ آپ کو معراج حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ہی رات میں بیت المقدس کی زیارت اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کرائی۔ صبح آپ نے اس کا ذکر فرمایا تو آپ کے مخلص صحابہ نے اسے حق سمجھا اور درست مانا، لیکن مخالفین نے اسے مذاق کا موضوع بنا لیا۔ آپ نے جب بیت المقدس اور فلسطین کے حالات تفصیل سے بیان کیے تو مخالفین لاجواب ہو گئے، کیوں کہ سب جانتے تھے کہ آپ فلسطین کبھی نہیں گئے۔ اس کے باوجود مخالفت بدستور جاری رکھی۔ نبوت کے دسویں سال چند دنوں کے وقفے سے ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت خدیجہؓ صحیح معنوں میں آپ کی ہم درد، معاون اور غم گسار تھیں، ابوطالب زندگی بھر آپ کی حفاظت اور پشت پناہی کرتے رہے۔ ان کی حیات میں قریش آپ کے خلاف کوئی انتہائی قدم اٹھاتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ان دونوں کا انتقال بہت بڑا حادثہ تھا۔ لیکن آپ نے ہمت اور حوصلے کے ساتھ اسے برداشت کیا اور دعوتی سعی و جہد جاری رکھی۔

طائف کا سفر

جب مکہ میں حالات بد سے بدتر ہونے لگے اور آپ کی مخالفت میں پہلے سے زیادہ شدت آ گئی تو آپ طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے سرداروں کے سامنے اللہ کا دین پیش کیا۔ اسے قبول کرنے اور دعوت و تبلیغ کی مہم میں آپ کا ساتھ دینے کی درخواست کی۔ لیکن انہوں نے آپ کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور انہیں مذاق کا موضوع بنا لیا۔ کہنے لگے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو کوئی دوسرا آدمی نہیں ملا جو تم جیسے خستہ حال کو پیغمبر بنا دیا، ہم تم سے بات کرنا بھی نہیں چاہتے۔ حالات اتنے خراب تھے کہ آپ کے لیے

مکہ واپسی مشکل تھی۔ مکہ کے ایک سردار نے آپ کو پناہ دی تو آپ مکہ میں داخل ہوئے۔

عرب کے نمایاں افراد جو مکہ آتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے ملاقات کرتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ حج کے زمانے میں مختلف قبائلِ عرب مکہ پہنچتے تھے۔آپ ان سے ملاقات کرتے، ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش فرماتے، اسے قبول کرنے اور اس کی دعوت وتبلیغ میں تعاون کی درخواست کرتے۔ آپ کے مخالفین آپ کے خلاف لوگوں کو ورغلاتے اور خوف زدہ کرتے تھے۔لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی سعی وجہد جاری رکھی۔

ہجرتِ مدینہ

حجاز کے ایک بڑے اور معروف شہر مدینہ میں اوس وخزرج دو بڑے قبیلے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا دسواں سال تھا کہ حج کے موقع پر آپ کی خزرج کے چھ لوگوں سے ملاقات ہوئی۔آپ نے جب ان کے سامنے اسلام پیش فرمایا تو انہیں اس کے حق ہونے کا یقین ہوگیا اور وہ اسلام لے آئے۔ دوسرے سال حج ہی کے موقع پر مدینہ کے بارہ افراد اسلام کے آغوش میں آ گئے۔اس کے بعد مدینہ میں گھر گھر اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ نبوت کے تیرھویں سال اوس وخزرج کے بہتّر (۷۲) افراد کا وفد آیا۔ ان کے نمائندوں نے آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ آپ کی ہرطرح سے حفاظت کریں گے، آپ کی نصرت وحمایت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے، جان و مال کی قربانی پیش کرنے، وقتِ ضرورت دشمنوں کا جواب دینے اور مقابلہ کرنے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔ اس سے فارغ ہوکر وہ خاموشی سے مدینہ واپس ہو گئے۔

اس کے بعد آپ نے اللہ کے حکم سے مدینہ ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے رفیقِ خاص حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ راتوں رات مکہ سے رخصت ہوگئے اور تین دن تک 'ثور' نام کے ایک غار میں دشمنوں سے نظر بچا کر مقیم رہے۔ ادھر اہلِ مکہ نے جب دیکھا کہ آپ مکہ سے رخصت ہو گئے ہیں تو آپ کے سر کی بازی لگا دی اور اعلان کیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔

ایک شخص نے اس لالچ میں آپ کا تعاقب کیا، لیکن اس نے دیکھا کہ اس کے گھوڑے کے قدم بار بار ریت میں دھنس رہے ہیں اور وہ آگے نہیں بڑھ رہا ہے تو اس نے سوچا کہ میں اللہ کے ایک نیک بندے پر ہاتھ اٹھانے کا جو ارادہ کر رہا ہوں، گھوڑا اس کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ آپ سے قریب ہوا اور اسلام لے آیا۔

مدینہ میں آپؐ کے اوّلین اقدامات

آپ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اوس وخزرج کے قبائل مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال ہوا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد آپ نے تین اہم اقدامات کیے۔ ایک یہ کہ آپ نے مدینہ میں اسلامی معاشرہ قائم کیا، جس میں اہلِ ایمان آزاد فضا میں اخوت ومحبت اور اسلامی تعلیم کے مطابق زندگی گزار سکتے تھے اور اسے اسلامی ریاست کی شکل دے دی، جہاں اسلامی احکام وقوانین نافذ ہونے لگے۔ دوسرا اقدام آپ نے یہ کیا کہ مکہ سے آنے والے مہاجرین اور انصارِ مدینہ کے درمیان اخوت کا تعلق قائم کرادیا کہ وہ ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہیں اور ان کے وہ حقوق تسلیم کریں جو بھائیوں کے ہوتے ہیں۔ تیسرا اقدام آپ کا یہ تھا کہ مدینہ کے اطراف میں جو یہود کے قبائل تھے ان سے امن کا معاہدہ کیا کہ وہ اپنے حدود میں اپنے قوانین پر عمل کریں گے، مدینہ کی حفاظت میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے، کوئی بیرونی حملہ ہو تو اس کا دفاع کریں گے اور کسی بھی دشمن کا تعاون نہیں کریں گے۔

غزوات اور ان کا پس منظر

اہلِ مکہ نے جب دیکھا کہ مدینہ میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو پناہ حاصل ہوگئی ہے اور مدینہ کا انتظام آپ کی ہدایت اور راہ نمائی میں چل رہا ہے تو انہوں نے اسے ختم کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس کا مقابلہ ضروری تھا۔اس کے لیے آپ کو چھوٹے بڑے جنگی اقدامات کرنے پڑے۔ان میں بدر، احد، خندق اور یہود کے قبیلہ بنی قریظہ اور خیبر کے واقعات اور فتح مکہ زیادہ مشہور ہیں اور اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم ان سے

واقف ہے۔ جنگِ بدر سب سے پہلی جنگ تھی، جس میں مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے اور دشمن تقریباً ایک ہزار۔ مسلمانوں کے پاس جنگی ساز و سامان کی بہت کمی تھی اور مخالفین پوری طرح مسلّح تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی تین گنا طاقت پر آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو کامیابی عطا کی۔ اس کے ایک سال بعد جنگِ احد ہوئی، جس میں مسلمانوں کو پہلے مرحلے میں فتح حاصل ہوئی، لیکن اس کے بعد شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ ہجرت کے پانچویں سال قریشِ مکہ عرب کے اطراف و اکناف کے قبائل کو اکٹھا کر کے دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر حملہ کے لیے پہنچ گئے۔ آپ نے مدینہ کے راستوں پر خندق کھودکر اس کے دفاع کا انتظام فرمایا۔ ایک ماہ تک دشمن مدینہ کے باہر پڑاؤ ڈالے رہے۔ اسی دوران میں اس قدر تیز آندھی چلی کہ وہ منتشر ہو گئے اور عملاً یہ جنگ نہیں ہوئی۔

ہجرت کے فوراً بعد یہود سے مدینہ کے دفاع کا معاہدہ ہوا تھا، لیکن انہوں نے اس کی صریح خلاف ورزی کی، مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے قریش کو ابھارا اور ہر طرح ان کی مدد کی۔ اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی۔ اس کے جواب میں ان کے خلاف بعض جنگی اقدامات کیے گئے۔ تھوڑی سی مزاحمت کے بعد انہوں نے سپر ڈال دی۔ فریقین کا برائے نام نقصان ہوا۔

فتحِ مکہ

فتحِ مکہ اسلامی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ ہے۔ سن ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریشِ مکہ کے درمیان دس سال کے لیے ناجنگ معاہدہ ہوا تھا۔ اس میں ایک قبیلے نے مشرکین کا ساتھ دیا تو دوسرے نے مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کیا۔ انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی اور آپ کے حلیف قبیلے پر حملہ ہوا تو اس میں شریک ہو گئے۔ اس کے خلاف آپ دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ اچانک مکہ پہنچ گئے۔ قریش نے خوف زدہ ہوکر ہتھیار ڈال دیے اور بغیر کسی جنگ کے مکہ فتح ہو گیا اور سارا عرب زیرِ نگیں آ گیا۔

پاکیزہ سیرت، اعلیٰ کردار

یہ ہے ان جنگوں کی حقیقت جن کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے اور دنیا پر رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو عظیم احسانات ہیں ان سے توجہ ہٹانے اور ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جو شخص بھی غیر جانب داری سے آپ کی سیرت کا مطالعہ کرے گا وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوگا کہ آپ نے عقیدہ و اخلاق، انسانوں کے درمیان مساوات، کم زوروں کے حقوق کی حفاظت اور عدل و انصاف کا اعلیٰ و ارفع تصور ہی نہیں پیش کیا، بلکہ دنیا کو اس سے روشناس کرانے، اسے پھیلانے اور عام کرنے اور عملاً اسے قائم کرنے کے لیے جو مسلسل جد و جہد کی اور قربانی دی اس کی کوئی مثال تاریخ کے اوراق میں تلاش کرنے سے بھی نہیں ملے گی۔ اس راہ میں آپ کا صبر و ثبات، تحمل و برداشت، عفو و درگزر، ایثار و قربانی، اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ سیرت روشنی کا وہ منارۂ نور ہے جس سے حق و صداقت کی راہ پر چلنے والے رہتی دنیا تک روشنی حاصل کرتے رہیں گے۔ آپ نے دنیا کو بتایا کہ ایک اعلیٰ نصب العین اور پاکیزہ مقصد کے لیے پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ کردار کی بھی ضرورت ہے۔اس کے بغیر وہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

آپ نے جب اعلانِ رسالت کیا اور اللہ تعالیٰ کا جو دین نازل ہو رہا تھا اسے پیش فرمایا تو وہی لوگ جو آپ کے اوصافِ حمیدہ کے گن گا رہے تھے اور آپ کو صادق و امین کے القاب سے یاد کرتے تھے، آپ کے شدید مخالف ہو گئے اور آپ کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھا۔ آپ کی تعلیمات کو یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ یہ محض شاعری ہے، اس سے پہلے بہت سے شاعر ہو گزرے ہیں، یہ بھی دنیا سے چلے جائیں گے، حالاں کہ اس وقت کی شاعری کے موضوعات اور اس کا انداز اور اسلوب سب کو معلوم تھا۔ قرآن مجید اس سے بالکل مختلف تھا۔ آپ اللہ کا جو کلام پیش فرما رہے تھے اس میں غیر معمولی تاثیر تھی اور دل بے اختیار اس کی طرف کھنچتے تھے۔ اس پر وہ آپ کو ساحر اور جادوگر کہا کرتے تھے، جب کہ جادوگر عقیدے اور اخلاق کی اصلاح کے لیے نہیں کھڑے ہوتے۔ آپ کو

داستان گو کہا گیا، حالاں کہ آپ قوموں کے عروج و زوال کے اصول بیان فرما رہے تھے، یہاں تک کہ آپ کو مجنوں اور پاگل کہنے میں بھی انہیں عار نہیں محسوس ہوا۔ ان بے ہودہ باتوں کے جواب میں پلٹ کر آپ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ تم ہو جو شاعری اور داستاں سرائی کرر ہے ہو، تمہارے دماغ میں فتور ہے اور تم پاگل ہو کہ حقیقت کا انکار کر رہے ہو، بلکہ اپنی بات مثبت انداز میں پیش فرماتے رہے۔

رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذہنی اذیتیں ہی نہیں پہنچائی گئیں، بلکہ آپ کو دق کرنے اور پریشان کرنے کی بھی کوشش ہوتی رہتی تھی۔

آپ کے پڑوسی رات میں آپ کے گھر کے سامنے گندگی ڈال دیتے۔ آپ صبح باہر نکل کر جب گندگی دیکھتے تو اسے دور پھینک آتے اور اپنے پڑوسیوں سے صرف اتنا کہتے کہ تم میرے ہم سایہ ہی نہیں رشتہ دار بھی ہو۔ آخر یہ کیسی ہم سائیگی ہے؟ دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ آپ نماز میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں سجدہ ریز ہیں اور پشتِ مبارک پر اوجھڑی ڈال دی گئی۔ کبھی صحن میں کھانا تیار ہوتا تو اس میں گندگی ڈال دی جاتی۔ آپ خاموشی سے اسے باہر لے جاتے اور پھینک آتے۔

ایک مرتبہ سرِ مبارک پر مٹی ڈال دی گئی۔ گھر تشریف لے گئے تو صاحب زادی حضرت فاطمہؓ رو رو کر سرِ مبارک دھونے لگیں۔ آپ نے تسلی دی: بیٹی رو ؤ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت کرے گا۔

اس سے بڑا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط آگے بڑھا اور گردن میں چادر ڈال کر بری طرح گلا گھوٹنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ موجود تھے۔ انہوں نے اس ظالم کو دھکا دے کر ہٹایا اور کہا کہ اس شخص کا جرم کیا ہے؟ کیا محض اس بنیاد پر اسے جان سے مار دو گے کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتا ہے؟ اس کش مکش میں حضرت ابوبکرؓ کے سر پر بھی چوٹ آئی۔

طائف کے لوگوں کو آپ نے اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسے ماننے

سے صاف انکار کر دیا۔ آپ دل گرفتہ واپس جانے لگے تو وہاں کے نوجوانوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ راستے کے دونوں طرف جمع ہو کر آپ کا ٹھٹول اور مذاق اڑاتے اور جوں ہی آپ آگے بڑھتے، آپ کے پیروں پر پتھر مارتے تھے۔ اس سے آپ کے پیر لہولہان ہو گئے اور آپ کو بچانے کی کوشش میں آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ بھی، جو آپ کے ساتھ تھے، زخمی ہو گئے۔ آپ پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس حالت میں اللہ کا فرشتہ نمودار ہوا اور کہا کہ طائف والوں نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اسے اللہ نے دیکھ لیا۔ آپ کہیں تو طائف کی دونوں پہاڑیوں کو اس طرح ملا دوں کہ یہ ان کے درمیان پس کر رہ جائیں۔ آپ نے فرمایا: میں یہ نہیں چاہتا۔ اگر یہ ایمان نہیں لا رہے ہیں تو امید ہے کہ ان کی اولاد ایمان لائے گی اور اللہ واحد کی عبادت کرے گی۔

مکہ فتح ہوا تو وہ لوگ جنہوں نے آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے، اپنا وطن مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، جو ہمیشہ آپ کے خلاف محاذ آرا رہے اور جن سے آپ کو کئی جنگیں کرنی پڑیں وہ آپ کے سامنے نگوں سار کھڑے تھے۔ آپ چاہتے تو ان میں سے ایک ایک سے انتقام لے سکتے تھے۔ آپ نے ان سے سوال کیا: بتاؤ اب میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ وہ دشمن ہونے کے باوجود آپ کی سیرت و کردار سے واقف تھے۔ انہوں نے کہا: آپ شریف انسان ہیں اور شریف بھائی کی اولاد ہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ آج تم سب آزاد ہو۔ تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ یہ اعلان سنتے ہی انہیں یوں محسوس ہوا جیسے موت کے منہ سے نکل آئے ہوں۔ اس کے بعد وہ سب اسلام میں داخل ہو گئے۔

انسانیت کے سب سے بڑے محسن

یہ تھے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو شخص بھی آپ کی زندگی، آپ کی تعلیمات اور نوع انسانی کی فلاح کے لیے آپ کی جدو جہد کو دیکھے گا، اس کا دل بے اختیار پکار اٹھے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول اور نوع انسانی کے سب سے بڑے محسن تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو کتاب نازل فرمائی وہ قرآن مجید ہے۔ آپ نے اپنے قول و عمل سے اس کی جو تشریح فرمائی اس کا نام سنت ہے۔قرآن وسنت کی تعلیمات اسلام کی اساس ہیں۔ آپ کا دنیا پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے اسے صحیح عقیدہ اور فکر دیا، اعلیٰ اخلاقی اصول عطا کیے، عدل و انصاف پر مبنی قانون دیا، پاکیزہ تہذیب اور معاشرت سے روشناس کرایا اور ایک ایسا نظامِ حیات عطا کیا جس میں انسان کے لیے دنیا اور آخرت کی فلاح اور کام رانی پائی جاتی ہے۔ یہاں آپ کی بعض اساسی تعلیمات پیش کی جا رہی ہیں۔

(۱) انسان کے سامنے ہمیشہ سے یہ سوال رہا ہے کہ یہ دنیا کیسے وجود میں آئی؟ کیا یہ یوں ہی چلتی رہے گی یا کسی وقت ختم ہوجائے گی؟ وہ یہاں زندگی کیسے گزارے؟ اس کا کوئی متعین راستہ ہے یا اسے یوں ہی بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے؟ اس کے صحیح یا غلط اعمال کا فیصلہ کب ہوگا؟ ان کا کوئی نتیجہ کبھی سامنے آئے گا یا نہیں؟ اس سوال کے ٹھیک جواب سے انسان کی زندگی صحیح رخ پر چلنے لگتی ہے اور جواب غلط ہوجائے تو اس کی زندگی کا رخ بھی غلط ہوجاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات میں اس کا دوٹوک جواب ہمیں ملتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ دنیا خود بہ خود وجود میں نہیں آئی اور نہ اسے بہت سی ہستیوں نے پیدا کیا ہے، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، وہی اسے چلا رہا ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ہم سر اور شریک نہیں ہے۔ وہی انسان کا خالق و مالک اور پروردگار ہے۔ اس نے انسانوں کی ہدایت و راہ نمائی کے لیے اپنے رسول بھیجے۔ جو شخص ان کی اطاعت کرے گا وہ سیدھی راہ پر گام زن رہے گا اور کام یاب ہوگا اور جو اس سے انحراف کرے گا ناکامی اور نامرادی سے دوچار ہوگا۔ یہ دنیا، جس میں انسان کو عقیدہ و عمل کی آزادی حاصل ہے، ایک روز ختم ہوجائے گی اور ایک غیر فانی اور ہمیشہ رہنے والی دنیا وجود میں آئے گی۔ اس وقت ہر فرد

اپنے فکر و عمل کی جزا یا سزا پائے گا۔ جس نے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو مان کر اس کی اطاعت کی راہ اختیار کی اسے وہ بہترین اجر سے نوازے گا اور جس نے اس سے بغاوت اور سرکشی کی زندگی گزاری اسے وہاں بدترین عذاب سے کوئی چیز بچا نہ سکے گی۔

سورۂ المومنون جو قرآن مجید کی تئیسویں (۲۳) سورت ہے، اس میں اس کی ان تمام سوالات کا جواب موجود ہے جو اس سلسلے میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں اس کی آخری چار آیات پیش کی جارہی ہیں:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ○ (المومنون: ۱۱۵-۱۱۸)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمھیں بے مقصد پیدا کیا ہے۔ اور تم ہماری طرف پلٹ کر نہیں آ ؤ گے۔ پس اللہ کی ذات برتر ہے جو حقیقی مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ عرش کریم کا مالک ہے۔ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارے اس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، اس کا حساب اس کے رب کی طرف سے ہوگا۔ بے شک اللہ کے نافرمان کام یاب نہیں ہوتے۔ کہو میرے رب میری مغفرت فرما۔ مجھ پر رحم کر، تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔

(۲) اس دنیا میں انسان خاندانوں، قبیلوں، نسلوں اور قوموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان اور بھی اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات عزت و ذلت کا معیار سمجھے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ سارے انسان ایک ہیں، اس لیے کہ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ان کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ غیر حقیقی ہیں، وہ عزت و ذلت کا معیار نہیں ہیں۔ اس کا معیار تقویٰ اور خدا ترسی ہے۔ صاحبِ عزت وہ ہے جو خدا ترس اور اس کے احکام کا پابند ہے۔ آپ نے اللہ کا یہ پیغام سنایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھارے مختلف خاندان اور قبیلے بنادیے، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے اور باخبر ہے۔

یہ اس بات کا اعلان ہے کہ دنیا کے کسی بھی انسان کو رنگ، نسل، زبان، ملک و قوم اور اس نوع کے دوسرے اختلافات کی بنیاد پر برتر یا کم تر نہیں قرار دیا جائے گا۔ اس طرح کی ہر تفریق نا قابلِ اعتبار اور نا قابلِ قبول ہے۔

(۳) ہر طرف انسانی حقوق پامال ہورہے تھے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ انسانی حقوق کے تصور ہی سے دنیا نا آشنا تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا واضح تصور دیا اور انسان کی جان، مال اور عزت وآبرو کو قابلِ احترام قرار دیا۔

ہر انسان کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ قرآن مجید نے کہا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (المائدۃ:۳۲)

جس نے کسی ایک انسان کا بھی قتل کیا، جب کہ اس نے نہ تو ناحق کسی کی جان لی ہو اور نہ فساد کا مرتکب ہوا ہو، تو اس نے گویا روئے زمین کے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا۔

آپ نے بتایا کہ ہر انسان محترم ہے، اس لیے اسے معاشی دوڑ دھوپ اور بہتر زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے۔ اسے ذلت وخواری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۷۰)

ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے اور انھیں خشکی اور تری پر سواری کی طاقت دی ہے اور پاک چیزوں کی روزی عطا کی ہے اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انھیں فضیلت اور برتری عطا کی ہے۔

یہ اس امر کی صراحت ہے کہ خشکی سے، سمندر سے اور یہاں کی فضاؤں سے فائدہ اٹھانے اور بہتر زندگی گزارنے کا ہر شخص کو حق ہے۔ اس سے اسے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سماج کے کم زور افراد اور طبقات پر ظلم و زیادتی سے منع ہی نہیں فرمایا، بلکہ ان کے حقوق متعین کیے اور معاشرہ کو ان حقوق کے ادا کرنے کا پابند بنایا۔

عورتوں کے متعلق آپ کا ارشاد ہے:

أطعموهنّ مما تأكلون و — تم جو کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ، جو پہنو (اس معیار کا)

اکسوھنّ مما تکسون و لاَ تضربوھنّ ولاَتقبّحوھنّ (ابوداؤد)

ان کو پہناؤ۔ انھیں زد وکوب نہ کرو اور برا بھلا مت کہو۔

آپؐ نے فرمایا:

خیرکم خیرکم لأھلہ (ترمذی، دارمی)

تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنے بیوی بچوں کے حق میں بہتر ہیں۔

غلاموں، محکوموں اور زیر دستوں کا کوئی حق ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

اخوانکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فاطعموھم مما تاکلون و البسوھم مما تلبسون و لاَ تکلّفوھم ما یغلبھم فان کلّفتموھم فاعینوھم (بخاری ومسلم)

وہ تمہارے بھائی ہیں جنھیں اللہ نے تمہارے ماتحت کردیا ہے۔ تمھیں چاہیے کہ جو کھاؤ ان کو بھی وہ کھلاؤ، جو پہنو ان کو بھی وہ پہناؤ، ان پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ اسے اٹھا نہ سکیں۔ اگر ان کی طاقت سے زیادہ کام ہو تو اس کے پورا کرنے میں ان کی مدد کرو۔

آپ نے کم زور افراد اور طبقات کے حق میں محض پند ونصیحت ہی نہیں فرمائی، بلکہ انھیں قانونی حقوق بھی عطا کیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تعلیمات پیش کیں ان کا ایک نمونہ یہ ہے:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

تمہارے رب کا فیصلہ ہے کہ تم صرف اس کی عبادت کروگے اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آؤ گے۔ وہ تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو، ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو اور ان سے تہذیب وشرافت سے بات کرو۔ ان کے سامنے جذبۂ ہمدردی سے جھک کر رہو اور ان کے حق میں دعا کرتے رہو کہ خدایا! ان پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں ہماری پرورش کی۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے۔ اگر تم نیک رہے تو اللہ اپنی طرف رجوع کرنے

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ
السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۝ اِنَّ
الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۝ وَاِمَّا
تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ
تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا۝
وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا
تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا
بَصِيْرًا۝ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ
اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ
قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا۝ وَلَا تَقْرَبُوا
الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا۝
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا
لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ
الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ
اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ
مَسْـُٔوْلًا۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ

والوں کو بڑا معاف کرنے والا ہے۔ قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرو۔ اسراف سے بچو، اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ (بروقت ان کی مدد نہ کرسکو تو بھلے طریقے سے معذرت کرلو) اگر اس توقع پر ان سے اعراض کروکہ آئندہ اللہ کی مدد حاصل ہوتو مدد کرسکوگے (تو مایوس مت کرو)۔ اور ان سے نرم انداز میں بات کرو۔ (خرچ میں) نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو اور نہ اسے پوری طرح کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور خالی ہاتھ ہوکر رہ جاؤ۔ اللہ جس کی روزی میں چاہتا ہے وسعت عطا کرتا ہے اور جسے کم دینا چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ وہ بندوں کے حالات سے باخبر اور واقف ہے۔ اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے ڈر سے قتل مت کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی دیں گے۔ ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ زنا اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ بے حیائی کا کام اور برا راستہ ہے۔اللہ نے ہر انسان کو محترم قرار دیا ہے، اس لیے اسے قتل نہ کرو، سوائے اس کے کہ حق و انصاف اس کا تقاضا کرے۔ ناحق اور ظلم کے ساتھ کسی کی جان لی جائے تو اس کے ولی کو قصاص (یا دیت لینے اور معاف کرنے کا حق ہے) لیکن اس میں وہ حد سے آگے نہ بڑھے اس میں اس کی مدد کی جائے گی۔ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ہاں احسن طریقہ سے اپنا حقِ خدمت لے سکتے ہو۔ جب وہ سوجھ بوجھ کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کا مال

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ○ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ○ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ○ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۳-۳۹)

اس کے حوالے کر دو۔ عہد و پیمان کو پورا کرو۔ اس کے بارے میں اللہ کے ہاں سوال ہوگا۔ناپ تول میں کمی نہ کرو، ناپ کر دوتو پورا پورا دو، وزن کروتو ترازو ٹھیک رکھو۔ (معاملات میں) یہ طریقہ بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔ جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔ یاد رکھو! کان، آنکھ، دل، ہر ایک کے بارے میں اللہ کے ہاں پوچھا جائے گا۔ زمین میں اترا کر نہ چلو۔ تم نہ زمین کو شق کر سکتے ہو اور نہ پہاڑ کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔ ان میں سے ہر برائی تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ یہ ان حکمت کی باتوں میں سے ہے، جن کی تمہارے رب نے تم پر وحی کی ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ ورنہ ملامت زدہ اور راندۂ درگاہ ہوکر جہنم میں پھینک دیے جاؤ گے۔

قرآن مجید، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا، یہ اس کی تعلیمات کی ایک جھلک ہے۔ ان میں اخلاق اور قانون کا جو حسین امتزاج ہے، اس کی کوئی مثال شاید کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔

☆☆